

# تقسیم القرآن

## الفتح

— (۲) —

اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے

اے نبی، ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی تاکہ اللہ تمہاری انگی پھلی ہر کوتاہی سے درگزر لے صلح حدیبیہ کے بعد جب فتح کا یہ ثمرہ سنایا گیا تو لوگ حیران تھے کہ آخر اس صلح کو فتح کیسے کہا جاسکتا ہے۔ ایمان کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو مان لینے کی بات تو دوسری تھی مگر اس کے فتح ہونے کا پہلو کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ آیت سُن کر پوچھا: یا رسول اللہ، کیا یہ فتح ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں (ابن جریر)۔ ایک اور صحابی حاضر ہوئے اور انہوں نے بھی یہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا ای والذی نفس محمد بیدہ اللہ لفتح یقسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، یقیناً یہ فتح ہے (مسند احمد۔ ابوداؤد)۔ مدینہ پہنچ کر ایک اوصاحب نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”یہ کیسی فتح ہے۔ ہم بیت اللہ جانے سے روک دیئے گئے، ہماری قربانی کے اونٹ بھی آگے نہ جاسکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ ہی میں رک جانا پڑا، اور اس صلح کی بدولت ہمارے دو مظلوم بھائیوں (ابوجندل اور ابولعبیر) کو ظالموں کے حوالہ کر دیا گیا“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: ”بڑی غلط بات کہی گئی ہے۔ یہ حقیقت میں تو یہ بہت بڑی فتح ہے۔ تم مشرکوں کے عین گھر پر پہنچ گئے اور انہوں نے آئندہ سال عمرہ کرنے کی درخواست کر کے تمہیں واپس جانے پر راضی کیا۔ انہوں نے تم سے خود جنگ بند کر دینے اور صلح کر لینے کی خواہش کی حالانکہ ان کے دلوں میں تمہارے لیے جیسا کچھ بغض ہے وہ معلوم ہے۔ اللہ نے تم کو ان پر غلبہ عطا کر دیا ہے۔ کیا وہ دن بھول گئے جب اُحد میں تم بھاگے جا رہے تھے اور میں تمہیں پیچھے سے پکار رہا تھا؟ کیا

فرمائے اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دئے اور تمہیں سیدھا راستہ دکھائے اور تم کو زبردست نصرت  
 وہ دن بھول گئے جب جنگِ اَحزاب میں ہر طرف سے دشمن چڑھ آئے تھے اور کلبے منہ کو آ رہے تھے؟ ذہنی  
 بروایت عروہ بن زبیر۔ مگر کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ اس صلح کا فتح ہونا بالکل عیاں ہونا چلا گیا اور ہر خاص و  
 عام پر یہ بات پوری طرح کھل گئی کہ فی الواقع اسلام کی فتح کا آغاز صلح حدیبیہ ہی سے ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ  
 بن مسعود، حضرت جابر بن عبداللہ، اور حضرت براہ بن عازب، تینوں حضرات سے قریب قریب ایک ہی معنی  
 میں یہ قول منقول ہوا ہے کہ ”لوگ فتح مکہ کو فتح کہتے ہیں، حالانکہ ہم اصل فتح حدیبیہ کو سمجھتے ہیں“ بخاری، مسلم،  
 مسند احمد، ابن جریر۔

۱۱۔ جس موقع و محل پر یہ فقرہ ارشاد ہوا ہے اسے نگاہ میں رکھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہاں  
 بہن کو تا ہیوں سے درگزر نہ کا ذکر ہے ان سے مراد وہ خامیاں ہیں جو اسلام کی کامیابی و سر بلندی کے لیے کام  
 کرتے ہوئے اُس سعی و جہد میں رہ گئی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں پچھلے ۹ اسال سے مسلمان  
 کر رہے تھے۔ یہ خامیاں کسی انسان کے علم میں نہیں ہیں، بلکہ انسانی عقل تو اُس جہد و جہد میں کوئی نقص تلاش کرنے  
 سے قطعی عاجز ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کمال کا جو بلند ترین معیار ہے اس کے لحاظ سے اُس میں کچھ ایسی خامیاں  
 تھیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو اتنے جلدی مشرکین عرب پر فیصلہ کن فتح حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا  
 مطلب یہ ہے کہ ان خامیوں کے ساتھ اگر تم جہد و جہد کرتے رہتے تو عرب کے مسخر ہونے میں ابھی عرصہ دراز  
 درکار تھا، مگر ہم نے ان ساری کمزوریوں اور کوتاہیوں سے درگزر کر کے محض اپنے فضل سے اُن کی تلافی کر دی اور حدیبیہ  
 کے مقام پر تمہارے لیے اُس فتح و ظفر کا دروازہ کھول دیا جو معمول کے مطابق تمہاری اپنی کوششوں سے نصیب نہ  
 ہو سکتی تھی۔

اس مقام پر یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کسی مقصد کے لیے ایک جماعت جو کوشش کر رہی ہو کس  
 کی خامیوں کے لیے اُس جماعت کے قائد و رہنما ہی کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ خامیاں  
 قائد کی ذاتی خامیاں ہیں۔ دراصل وہ اُس جہد و جہد کی کمزوریاں ہوتی ہیں جو پوری جماعت یکنیت مجموعی کر رہی ہوتی  
 ہے۔ مگر خطاب قائد سے کیا جاتا ہے کہ آپ کے کام میں یہ کمزوریاں ہیں۔

بخشے۔ وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ وہ ایک

تاہم چونکہ سوائے سخن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، اور فرمایا یہ گیا ہے کہ اللہ نے آپ کی ہر اگلی

پچھلی کوتاہی کو معاف فرمادیا، اس لیے ان عام الفاظ سے یہ مضمون بھی نکل آیا کہ اللہ تعالیٰ کے ان اس کے رسول

پاک کی تمام لغزشیں رجوع آپ کے مقام بلند کے لحاظ سے لغزشیں تھیں، بخش دی گئیں۔ اس بنا پر جب صحابہ کرام

حضور کو عبادت میں غیر معمولی مشقتیں اٹھاتے ہوئے دیکھتے تھے تو عرض کرتے تھے کہ آپ کے تو سب اگلے پچھلے

قصور معاف ہو چکے ہیں، پھر آپ اپنی جان پر اتنی سختی کیوں اٹھاتے ہیں؟ اور آپ جواب میں فرماتے تھے اَفَلَا

اكون عبداً شكوراً کیا میں ایک شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ (راحمہ، بخاری، مسلم، ابوداؤد)۔

۳۔ نعمت کی تکمیل سے مراد یہ ہے کہ مسلمان اپنی جگہ ہر خوف، ہر فراحت اور ہر بیرونی مداخلت سے محفوظ

ہو کر پوری طرح اسلامی تمدن و تہذیب اور اسلامی قوانین و احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے آزاد ہو

جائیں، اور ان کو یہ طاقت بھی نصیب ہو جائے کہ وہ دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کر سکیں۔ کفر و فسق کا غلبہ، جو

بندگی رب کی راہ میں مانع اور علائقے کلمۃ اللہ کی سعی میں مزاحم ہو، اہل ایمان کے لیے سب سے بڑی مصیبت ہے

جسے قرآن "قنۃ" قرار دیتا ہے۔ اس قنۃ سے خلاصی پاکر جب ان کو ایک ایسا دارالاسلام ملے آجائے جس میں اللہ

کا پورا دین بے کم و کاست نافذ ہو، اور اس کے ساتھ ان کو ایسے ذرائع و وسائل بھی ہم پہنچ جائیں جن سے وہ

خدا کی زمین پر کفر و فسق کی جگہ ایمان و تقویٰ کا سکہ رواں کر سکیں، تو یہ ان پر اللہ کی نعمت کا انعام ہے۔ یہ نعمت

چونکہ مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بدولت حاصل ہوئی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور ہی کو مخاطب

کر کے فرمایا کہ ہم تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دینا چاہتے تھے، اس لیے یہ فتح ہم نے تم کو عطا کر دی۔

۴۔ اس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدھا راستہ دکھانے کا مطلب آپ کو فتح و کامرانی کا راستہ

دکھانا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ کے مقام پر صلح کا یہ معاہدہ کر کے آپ

کے لیے وہ راہ ہموار کر دی، اور وہ تدبیر آپ کو سمجھا دی جس سے آپ اسلام کی فراحت کرنے والی تمام طاقتوں

کو مغلوب کر لیں گے۔

۵۔ دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "تم کو بے مثل نصرت بخشے"۔ اصل میں لفظ نصراً عنیناً

استعمال ہوتا ہے۔ عزیز کے معنی زبردست کے بھی ہیں اور بے نظیر، بے مثل اور نادر کے بھی۔ پہلے معنی کے لحاظ سے اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ اس صلح کے ذریعہ سے اللہ نے آپ کی ایسی مدد کی ہے جس سے آپ کے دشمن عاجز ہو جائیں گے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ شاذ و نادر ہی کبھی کسی کی مدد کا ایسا عجیب طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ بظاہر جو چیز لوگوں کو محض ایک صلح نامہ، اور وہ بھی دب کر کیا ہوا صلح نامہ نظر آتی ہے، وہی ایک فصلکہ فتح بن جانے والی ہے۔

۶۔ ”سکینت“ عربی زبان میں سکون و اطمینان اور ثباتِ قلب کو کہتے ہیں، اور یہاں اللہ تعالیٰ امومنوں کے دل میں اُس کے نازل کیے جانے کو اُس فتح کا ایک اہم سبب قرار دے رہا ہے جو حدیبیہ کے مقام پر اسلام اور مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ اُس وقت کے حالات پر تھوڑا سا غور کرنے سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ کس قسم کی سکینت تھی جو اس پورے زمانے میں مسلمانوں کے دلوں میں اتارتی گئی اور کیسے وہ اس فتح کا سبب بنی۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کے لیے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اگر مسلمان اُس وقت خوف زدگی میں مبتلا ہو جاتے اور منافقین کی طرح یہ سوچنے لگتے کہ یہ تو صریحاً موت کے منہ میں جانا ہے، یا جب راستے میں یہ اطلاع ملی کہ کفارِ قریش لڑنے پر آمادہ ہو گئے ہیں، اُس وقت اگر مسلمان اس گھبراہٹ میں مبتلا ہو جاتے کہ ہم کسی جنگی ساز و سامان کے بغیر دشمن کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے، اور اس بنا پر ان کے اندر بھگدڑ مچ جاتی، تو ظاہر ہے کہ وہ نتائج کبھی رونما نہ ہوتے جو حدیبیہ میں رونما ہوئے۔ پھر جب حدیبیہ کے مقام پر کفار نے مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکا، اور جب انہوں نے چھاپے اور نشخون مار مار کر مسلمانوں کو اشتعال دلانے کی کوشش کی، اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی، اور جب ابو جندل مظلومیت کی تصویر بنے ہوئے مجمع عام میں اکھڑے ہوئے، ان میں سے ہر موقع ایسا تھا کہ اگر مسلمان اشتعال میں آکر اُس نظم و ضبط کو توڑ دالتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا تو سارا کام خراب ہو جاتا۔ سب سے زیادہ یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن شرائط پر صلح نامہ طے کرتے تھے جو مسلمانوں کی پوری جماعت کو سخت ناگوار تھیں، اُس وقت اگر وہ حضور کی نافرمانی کرنے پر اتر آتے تو حدیبیہ کی فتح عظیم شکستِ عظیم میں تبدیل ہو جاتی۔ اب یہ سراسر اللہ ہی کا فضل تھا کہ ان نازک گھڑیوں میں مسلمانوں کو رسول پاک کی رہنمائی پر، دینِ حق کی صداقت پر اور اپنے مشن کے برحق ہونے پر

ایمان اور بڑھائیں۔ زمین اور آسمانوں کے سب لشکر اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہ علیم و حکیم ہے۔

کامل اطمینان نصیب ہوا۔ اسی کی بنا پر انہوں نے ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ کیا کہ اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی پیش آئے سب گوارا ہے۔ اسی کی بنا پر وہ خوف، گھبراہٹ، اشتغال، مایوسی، ہرجیز سے محفوظ رہے۔ اسی کی بدولت ان کے کیمپ میں پورا نظم و ضبط برقرار رہا۔ اور اسی کی وجہ سے انہوں نے شرائط صلح پر سخت کبیدہ خاطر ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر تسلیم خم کر دیا یہی وہ سکینت تھی جو اللہ نے مومنوں کے دلوں میں اتاری تھی اور اسی کی برکت تھی کہ عمر کے لیے نکلنے کا خطرناک ترین اقدام بہترین کامیابی کا موجب بن گیا۔

یعنی ایک ایمان تو وہ تھا جو اس ہم سے پہلے ان کو حاصل تھا، اور اس پر مزید ایمان انہیں اس وجہ سے حاصل ہوا کہ اس ہم کے سلسلے میں خفیہ شدید آزمائشیں پیش آتی چلی گئیں ان میں سے ہر ایک میں وہ اخلاص، تقویٰ اور اطاعت کی روش پر ثابت قدم رہے۔ یہ آیت بھی منجملہ ان آیات کے ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان ایک جامد و ساکن حالت نہیں ہے، بلکہ اس میں ترقی بھی ہوتی ہے اور منزل بھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد سے مرتے دم تک مومن کو زندگی میں قدم قدم پر ایسی آزمائشوں سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے جن میں اس کے لیے یہ سوال فیصلہ طلب ہوتا ہے کہ آیا وہ اللہ کے دین کی پیروی میں اپنی جان، مال، جذبات، خواہشات، اوقات، آسائشوں اور مفاہات کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے یا نہیں۔ ایسی ہر آزمائش کے موقع پر اگر وہ قربانی کی راہ اختیار کرے تو اس کے ایمان کو ترقی اور بالیدگی نصیب ہوتی ہے، اور اگر منہ موڑ جائے تو اس کا ایمان ٹھٹھہ کر رہ جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے جب وہ ابتدائی سرمایہ ایمان بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے جسے لیے ہونے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔ دمزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، ص ۱۳۰۔ جلد چہارم، الاحزاب، حاشیہ ۳۸۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کے پاس تو ایسے لشکر ہیں جن سے وہ کفار کو جب چاہے تہس نہس کر دے مگر اس نے کچھ جان کر اور حکمت ہی کی بنا پر یہ ذمہ داری اہل ایمان پر ڈالی ہے کہ وہ کفار کے مقابلہ میں جدوجہد اور کشمکش کر کے دین کا بول بالا کریں۔ اسی سے ان کے لیے درجات کی ترقی اور آخرت کی کامیابیوں کا دروازہ کھلتا ہے جیسا کہ آگے کی آیت بتا رہی ہے۔





اس نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے جہنم مہیا کر دی جو بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ زمین اور آسمانوں کے لشکر اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔

اے نبی، ہم نے تم کو شہادت دینے والا، بشارت دینے والا اور خیر دار کر دینے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے لوگو، تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس کا ساتھ دو، اس کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

باطل کو حق کا بول بچا کرنے کی کھلی چھوٹ دے دیگا۔

۱۲ یعنی جس انجام بد سے وہ بچنا چاہتے تھے اور جس سے بچنے کے لیے انہوں نے یہ تدبیریں کی تھیں، اسی کے پھر میں وہ آگے اور ان کی وہی تدبیریں اُس انجام کو قریب لانے کا سبب بن گئیں۔

۱۳ یہاں اس مضمون کو ایک دوسرے مقصد کے لیے دہرایا گیا ہے۔ آیت نمبر ۶ میں اُسے اس غرض کے لیے بیان کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے مقابلے میں لڑنے کا کام اپنے فوق الفطری لشکروں سے لینے کے بجائے مومنین سے اس لیے لیا ہے کہ وہ ان کو نوازا جانتا ہے۔ اور یہاں اس مضمون کو دوبارہ اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو نوازا دینا چاہے اس کی سرکوبی کے لیے وہ اپنے بے شمار لشکروں میں سے جس کو چاہے استعمال کر سکتا ہے، اسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اپنی تدبیروں سے وہ اُس کی سزا کو بال سکے۔

۱۴ شاہ ولی اللہ صاحب نے شاہد کا ترجمہ ”اظہارِ حقیقت“ فرمایا ہے اور دوسرے مترجمین اس کا ترجمہ ”گواہی دینے والا“ کرتے ہیں۔ شہادت کا لفظ ان دونوں معنوں پر حاوی ہے۔ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو:   
ہیم القرآن، جلد چہارم، تفسیر سورہ احزاب، حاشیہ نمبر ۸۲۔

۱۵ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد چہارم، تفسیر سورہ احزاب، حاشیہ نمبر ۸۳۔   
۱۶ بعض مفسرین نے ”عَنْ دَوْكَا“ اور ”تَوْقُوْهُ“ کی ضمیروں کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ”تَسْبِيْحًا“ کی کا مرجع اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔ یعنی ان کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ ”تم رسول کا ساتھ دو اور اس کا توقیر کرو، اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو“ لیکن ایک ہی سلسلہ کلام میں ضمیروں کے دو الگ الگ قرار دینا، جبکہ اس کے لیے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے، درست نہیں معلوم ہوتا۔ اسی لیے مفسرین کے ایک

اے نبی، جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ اب جو اس عہد کو توڑے گا اس کی عہد شکنی کا وبال اُس کی اپنی ہی ذات پر ہوگا، اور جو اُس عہد کو وفا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ عنقریب اس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

ع

دوسرے گروہ نے تمام ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ ہی کو قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کا ساتھ دو، اس کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہے۔

صبح و شام تسبیح کرنے سے مراد صرف صبح و شام ہی نہیں بلکہ ہمہ وقت تسبیح کرتے رہنا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم کہتے ہیں فلاں بات کا شہرہ مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ صرف مشرق اور مغرب کے لوگ اس بات کو جانتے ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ساری دنیا میں اس کا چرچا ہو رہا ہے۔

۱۷ اشارہ اُس بیعت کی طرف جو مکہ معظمہ میں حضرت عثمان کے شہید ہوجانے کی خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے حدیبیہ کے مقام پر لی تھی بعض روایات کی رُو سے یہ بیعت علی الموت تھی، اور بعض روایات کے مطابق بیعت اس بات پر لی گئی تھی کہ ہم میدان جنگ سے پٹھان نہ پھیریں گے۔ پہلی بات حضرت سلمہ بن اکوع سے مروی ہے، اور دوسری حضرات ابن عمر، جابر بن عبد اللہ اور متعل بن یسار سے آل دونوں کا ایک ہی ہے صحابہ نے رسول پاک کے ہاتھ پر بیعت اس بات کی کی تھی کہ حضرت عثمان کی شہادت کا معاملہ اگر صحیح ثابت ہوا تو وہ سب یہیں اور اسی وقت قریش سے منٹ لیں گے خواہ نتیجہ میں وہ سب کٹ ہی کیوں نہ میں۔ اس موقع پر چونکہ یہ امر ابھی یقینی نہیں تھا کہ حضرت عثمان واقعی شہید ہو چکے ہیں یا زندہ ہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف سے خود اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر بیعت فرمائی اور اس طرح ان کو یہ شرف عظیم حاصل ہوا کہ آپ نے اپنے دست مبارک کو ان کے ہاتھ کا قائم مقام بنا کر انہیں اس بیعت میں شریک فرمایا۔ حضور کا ان کی طرف سے خود بیعت کرنا لازماً یہ معنی رکھتا ہے کہ حضور کو ان پر پوری طرح یہ اعتماد تھا کہ اگر وہ موجود ہوتے تو یقیناً بیعت کرتے۔

۱۸ یعنی جس ہاتھ پر لوگ اس وقت بیعت کر رہے تھے وہ شخص رسول کا ہاتھ نہیں بلکہ اللہ کے نمائندے



اے نبی، بدوی عربوں میں جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے اب وہ آکر ضرور تم سے کہیں گے کہ ہمیں اپنے مال اور بال بچوں کی فکر نے مشغول کر رکھا تھا۔ آپ ہمارے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔ ان سے کہنا اچھا یہی بات ہے تو کون تمہارے معاملہ میں اللہ کے فیصلے کو روک دینے کا کچھ بھی اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمہیں کوئی

کا ہاتھ تھا اور یہ بیعت رسول کے واسطے سے درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو رہی تھی۔

۱۹ اس مقام پر ایک لطیف نکتہ نگاہ میں رہنا چاہیے۔ عربی زبان کے عام قاعدے کی رو سے یہاں عَمَدًا عَلَیْہِ اللّٰہُ پڑھا جانا چاہیے تھا، لیکن اس عام قاعدے سے ہٹ کر اس جگہ عَلَیْہِ اللّٰہُ پڑھا جاتا ہے۔ علامہ آلوسی نے اس غیر معمولی اعراب کے دو وجوہ بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ اس خاص موقع پر اُس ذات کی بزرگی اور جلالتِ شان کا اظہار مقصود ہے جس کے ساتھ یہ عہد استوار کیا جا رہا تھا اس لیے یہاں عَلَیْہِ کے بجائے عَلَیْہِ ہی زیادہ مناسب ہے۔ دوسرے یہ کہ عَلَیْہِ میں کا دراصل ھُو کی قائم مقام ہے اور اس کا اصلی اعراب پیش ہی تھا نہ کہ زیر۔ لہذا یہاں اس کے اصلی اعراب کو باقی رکھنا وفا ثے عہد کے مضمون سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

۲۰ یہ اطرافِ مدینہ کے اُن لوگوں کا ذکر ہے جنہیں عمرے کی تیاری شروع کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی، مگر وہ ایمان کا دعویٰ رکھنے کے باوجود صرف اس لیے اپنے گھروں سے نہ نکلے تھے کہ انہیں اپنی جان عزیز تھی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلم، خزیمہ، جہینہ، غفار، اشجعی، ذیل وغیرہ قبائل کے لوگ تھے۔

۲۱ اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے نہ نکلنے کے لیے جو عذر یہ اب پیش کریں گے وہ محض ایک جھوٹا بہانہ ہوگا، ورنہ ان کے دل جانتے ہیں کہ وہ دراصل کیوں بیٹھ رہے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا محض زبانی جمع خرچ ہوگا۔ اصل میں وہ نہ اپنی اس حرکت پر تادم ہیں، نہ انہیں یہ احساس ہے کہ انہوں نے رسول کا ساتھ نہ دے کر کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے، اور نہ ان کے دل میں مغفرت کی کوئی طلب ہے۔ اپنے نزدیک تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اس خطرناک سفر پر نہ جا کر بڑی عظمت دی کی ہے۔ اگر انہیں واقعی اللہ اور اس کی مغفرت کی کوئی پرفا ہوتی تو وہ گھر

نقصان پہنچانا چاہے یا نفع بخشنا چاہے۔ تمہارے اعمال سے تو اللہ ہی باخبر ہے۔ (مگر اصل بات وہ نہیں ہے جو تم کہہ رہے ہو) بلکہ تم نے یوں سمجھا کہ رسول اور مومنین اپنے گھر والوں میں ہرگز ٹپٹ کر نہ آسکیں گے اور یہ خیال تمہارے دلوں کو بہت بھلا لگا۔ تم نے بہت بُرے گمان کیے تھے اور تم تھے ہی بد باطن لوگ! اللہ اور اس کے رسول پر جو لوگ ایمان نہ رکھتے ہوں ایسے کافروں کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ مہیا کر رکھی ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک اللہ ہی ہے جسے بیٹھے ہی کیوں رہتے۔

۲۲ یعنی اللہ کا فیصلہ تو اس علم کی بنا پر ہو گا جو وہ تمہارے عمل کی حقیقت کے متعلق رکھتا ہے۔ اگر تمہارا عمل سزا کا مستحق ہو اور میں تمہارے لیے مغفرت کی دعا کر دوں تو میری یہ دعا تمہیں اللہ کی سزا سے نہ بچا دے گی۔ اور اگر تمہارا عمل سزا کا مستحق نہ ہو اور میں تمہارے حق میں استغفار نہ کروں تو میرا استغفار نہ کرنا تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے گا۔ اختیار میرا نہیں بلکہ اللہ کا ہے، اور اس کو کسی کی زبانی باتیں دھوکا نہیں دے سکتیں۔ اس لیے تمہارے ظاہری قول کو میں سچ مان بھی لوں اور اس بنا پر تمہارے حق میں دعائے مغفرت کر دوں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

۲۳ یعنی تم اس بات پر بہت خوش ہوتے کہ رسول اور اس کا ساتھ دینے والے اہل ایمان جن خطرے کے منہ میں جا رہے ہیں اس سے تم نے اپنے آپ کو بچا لیا۔ تمہاری نگاہ میں یہ بڑی دانش مندی کا کام تھا۔

۲۴ اصل الفاظ ہیں كُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا۔ بور جمع ہے بائری۔ اور بائری کے دو معنی ہیں۔ ایک نافرمانی کا اور دوسرا آدمی، جو کسی بھلے کام کے لائق نہ ہو، جس کی نیت میں فساد ہو۔ دوسرے مالک، بد انجام، تباہی کے راستے پر جانے والا۔

۲۵ یہاں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو صاف الفاظ میں کافر اور ایمان سے خالی قرار دیتا ہے جو اللہ اور اس کے دین کے معاملہ میں مخلص نہ ہوں اور آزمائش کا وقت آنے پر دین کی خاطر اپنی جان و مال اور اپنے مفاد کو خطرے میں ڈالنے سے جی چڑا جاتیں۔

چاہے معاف کرے اور جسے چاہے سزا دے، اور وہ غفور و رحیم ہے۔<sup>۲۶</sup>

جب تم مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے جانے لگو گے تو یہ پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ تم سے ضرور کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے فرمان کو بدل دیں۔ ان سے صاف کہہ دینا کہ ”تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے، اللہ پہلے ہی یہ فرما چکا ہے۔“ یہ

۲۷ اور پھر کی شدید تنبیہ کے بعد اللہ کے غفور و رحیم ہونے کا ذکر اپنے اندر نصیحت کا ایک لطیف پہلو رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اب بھی اپنی غیر مخلصانہ روش کو چھوڑ کر تم لوگ اخلاص کی راہ پر جاؤ تو اللہ کو تم غفور و رحیم پاؤ گے۔ وہ تمہاری پچھل کو تباہیوں کو معاف کر دے گا اور آئندہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے گا جس کے تم اپنے خلوص کی بنا پر مستحق ہو گے۔

۲۸ یعنی عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب یہی لوگ، جو آج ضرورے کی مہم پر تمہارے ساتھ جانے سے جی چڑا گئے تھے، تمہیں ایک ایسی مہم پر جاتے دیکھیں گے جس میں ان کو آسان فتح اور بہت سے اموالِ غنیمت کے حصول کا امکان نظر آئے گا، اور اس وقت یہ خود دوڑے آئیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ یہ وقت صلح حدیبیہ کے تین ہی مہینے بعد آ گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر چڑھائی کی اور بڑی آسانی کے ساتھ اسے فتح کر لیا۔ اس وقت ہر شخص کو یہ بات صاف نظر آرہی تھی کہ قریش سے صلح ہو جانے کے بعد اب خیبر ہی کے نہیں، بلکہ ثیماء، فذک، داوی القری، اور شمالی حجاز کے دوسرے یہودی بھی مسلمانوں کی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور یہ ساری بستیاں پکے پھل کی طرح اسلامی حکومت کی گود میں آگریں گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات میں پیشگی خبردار کر دیا کہ اطرافِ مدینہ کے یہ موقع پرست لوگ ان آسان فتوحات کو حاصل ہوتے دیکھ کر ان میں حصہ ٹالنے کے لیے آکھڑے ہونگے، مگر تم انہیں صاف جواب دے دینا کہ ان میں حصہ لینے کا موقع تمہیں ہرگز نہ دیا جائے گا، بلکہ یہ ان لوگوں کا حق ہے جو خطرات کے مقابلے میں سرفروشی کے لیے آگے بڑھے تھے۔

۲۹ اللہ کے فرمان سے مراد یہ فرمان ہے کہ خیبر کی مہم پر حضور کے ساتھ صرف انہی لوگوں کو جانے کی اجازت دی جائے گی جو حدیبیہ کی مہم پر آپ کے ساتھ گئے تھے اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے تھے

کہیں گے کہ نہیں، بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کر رہے ہو۔ حالانکہ بات حسد کی نہیں ہے، بلکہ یہ لوگ صحیح بات کو کم ہی سمجھتے ہیں۔ ان پیچھے چھوڑے جانے والے بدوی عربوں سے کہنا کہ عنقریب تمہیں ایسے لوگوں سے لڑنے کے لیے بلایا جائے گا جو بڑے زور آور ہیں تم کو ان سے جنگ کرنی ہوگی یا وہ مطیع ہو جائیں گے۔ اُس وقت اگر تم نے حکم جہاد کی اطاعت کی تو اللہ تمہیں اچھا اجر دے گا، اور اگر تم پھر اسی طرح منہ موڑ گئے جس طرح پہلے موڑ چکے ہو تو اللہ تم کو دردناک سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے خیبر کے اموالِ غنیمت انہی کے لیے مخصوص فرمادیئے تھے جیسا کہ آگے آیت ۸ میں بصراحت ارشاد ہوا:

۹۔ اللہ پہلے یہ فرما چکا ہے، کے الفاظ سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ اس آیت سے پہلے کوئی حکم اس

مضمون کا آیا ہوا ہو گا جس کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے، اور چونکہ اس سورہ میں اس مضمون کا کوئی حکم اس

آیت سے پہلے نہیں ملتا اس لیے انہوں نے قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر اسے تلاش کرنا شروع کیا، یہاں

تک کہ سورہ توبہ کی آیت ۸۴ انہیں مل گئی جس میں یہی مضمون ایک اور موقع پر ارشاد ہوا ہے لیکن حقیقت

وہ آیت اس کی مصداق نہیں ہے، کیونکہ وہ غزوہ تبوک کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی جس کا زمانہ نزول سورہ

فتح کے زمانہ نزول سے تین سال بعد کا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس آیت کا اشارہ خود اسی سورہ کی

آیت ۸ کی طرف ہے، اور اللہ کے پہلے فرما چکنے کا مطلب اس آیت سے پہلے فرمانا نہیں ہے بلکہ مختلفین کے

ساتھ اس گفتگو سے پہلے فرمانا ہے مختلفین کے ساتھ یہ گفتگو جس کے متعلق یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو پیشگی ہدایات دی جا رہی ہیں، خیبر کی مہم پر جانے کے وقت ہونے والی تھی، اور یہ پوری سورہ، جس

میں آیت ۸ ابھی شامل ہے، اس سے تین مہینے پہلے حدیبیہ سے پلٹتے وقت راستے میں نازل ہو چکی تھی۔ سلسلہ

کلام کو غور سے دیکھیے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو یہ ہدایت دے رہا ہے کہ جب

تمہارے مدینہ واپس ہونے کے بعد یہ سمجھے رہ جانے والے لوگ اگر تم سے یہ عذرات بیان کریں تو ان کو یہ

جواب دینا، اور خیبر کی مہم پر جانے وقت جب وہ تمہارے ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کریں تو ان سے یہ کہنا

۱۰۔ اصل الفاظ ہیں اَوْ يُسَلِّمُوْنَ۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں اور دونوں ہی مراد ہیں۔ ایک یہ کہ

وہ اسلام قبول کر لیں۔ دوسرے یہ کہ وہ اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کر لیں۔

اگر اندھا اور لنگڑا اور مریض جہاد کے لیے نہ آئے تو کوئی حرج نہیں۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اسے آن جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، اور جو منہ پھیرے گا اسے وہ دردناک عذاب دے گا۔

ع

اسلحہ یعنی جس آدمی کے لیے شریک جہاد ہونے میں واقعی کوئی صحیح عذر مانع ہو اس پر تو کوئی گرفت نہیں مگر ہٹے کٹے لوگ اگر بہانے بنا کر بیچھڑ رہیں تو ان کو اللہ اور اس کے دین کے معاملہ میں مخلص نہیں مانا جاسکتا اور انہیں یہ موقع نہیں دیا جاسکتا کہ مسلم معاشرے میں شامل ہونے کے فوائد تو سمیٹتے رہیں، مگر جب اسلام کے لیے فرمائیاں دینے کا وقت آئے تو اپنی جان و مال کی خیر منائیں۔

اس مقام پر یہ بات جان لینی چاہیے کہ شریعت میں جن لوگوں کو شریک جہاد ہونے سے معاف رکھا گیا ہے وہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو جسمانی طور پر جنگ کے قابل نہ ہوں، مثلاً کم سن لڑکے، عورتیں، مجنون، اندھے، ایسے مریض جو جنگی خدمات انجام نہ دے سکتے ہوں، اور ایسے معذور جو ہاتھ یا پاؤں بچکا ہونے کی وجہ سے جنگ میں حصہ نہ لے سکیں۔ دوسرے وہ لوگ جن کے لیے کچھ اور معقول اسباب سے شامل جہاد ہونا مشکل ہو، مثلاً غلام، یا وہ لوگ جو لڑنے کے لیے تیار ہوں مگر ان کے لیے آلات جنگ اور دوسرے ضروری وسائل فراہم نہ ہو سکیں، یا ایسے قرض دار جنہیں جلدی سے جلدی اپنا قرض ادا کرنا ہوا اور قرض خواہ انہیں مہلت نہ دے رہا ہو، یا ایسے لوگ جن کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک زندہ ہو اور وہ اس کا محتاج ہو کہ اولاد اس کی خیر گیری کرے۔ اس سلسلے میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ والدین اگر مسلمان ہوں تو اولاد کو ان کی اجازت کے بغیر جہاد پر نہ جانا چاہیے، لیکن اگر وہ کافر ہوں تو ان کے روکنے سے کسی شخص کا رگ جانا جائز نہیں ہے۔